ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.1 (2025)
(January to March)

قاضی عبدالودود کی خردہ گیری: تحقیق و تجزیہ

Qazi Abdul Wadood's Critical Approach: Research and Analysis

بینش ناصر

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ڈاکٹر محمود الحسن

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

Benish Nasir

Ph.D Scholar, Department of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad

Dr. Mehmood Ul Hassan

Assistant Professor, Department of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad

Abstract:

Qazi Abdul Wadood holds a significant place in the history of Urdu research and criticism due to his meticulous methodology, critical insight, and unwavering commitment to scholarly integrity. His contributions reshaped the tradition of Urdu textual scholarship, moving it away from mere repetition of narratives toward a more rigorous, evidence-based, and analytical approach. Through works such as Ishtar-o-Soozan *and* Muhammad Husain Azad ba-hasiyat Muhqqiq, Abdul Wadood demonstrated a unique balance between strict textual scrutiny and fair evaluation of literary contributions. His method of examining primary sources, cross-checking historical references, and exposing textual inaccuracies set new standards for Urdu research. Unlike many of his contemporaries, he emphasized the importance of accuracy in references, authenticity of manuscripts, and linguistic clarity. He also highlighted the necessity of acknowledging both the strengths and weaknesses of past writers, ensuring a balanced view rather than blind admiration or harsh dismissal.

Keywords: Qazi Abdul Wadood, meticulous methodology, critical insight, evidence-based, Muhammad Husain Azad, textual inaccuracies

اُردو ادب کی تاریخ میں تحقیق و تنقید دو ایسے شعبے ہیں جنھوں نے اس زبان کے فکری، ادبی اور لسانی ارتقا کو مستحکم بنیاد فراہم کی۔ تنقید نے ادب کے معیارات کو مرتب کیا، جب کہ تحقیق نے ادب کی بنیادوں کو تاریخی، لسانی اور مآخذی سطح پر منضبط کیا۔ اردو تحقیق کا باقاعدہ آغاز انیسویں صدی میں سر سید احمد خان، شبلی نعمانی اور مولوی محمد حسین آزاد کے ہاتھوں ہوا۔ لیکن یہ دور زیادہ تر بیانیہ اور تاثراتی نوعیت کا تھا۔ محققین اور ناقدین کا رجحان اکثر اصلاحی اور تعلیمی نوعیت کی تحریروں تک محدود رہا۔

بیسویں صدی کے وسط میں اردو تحقیق کو جو نیا موڑ ملا، اس کے پیچھے چند جید شخصیات کا ہاتھ ہے۔ ان میں حافظ محمود شیرانی، رشید حسن خان اور قاضی عبدالودود خاص طور پر نمایاں ہیں۔ ان تینوں نے تحقیق کو محض ذوقی یا تاثراتی سطح سے نکال کر ایک مضبوط علمی ڈسپلن بنایا۔ حافظ محمود شیرانی نے تاریخی اور لسانی بنیادوں پر اردو کے ارتقا کی کھوج کی، رشید حسن خان نے متون کی تدوین اور لغت نویسی میں کمال دکھایا، جب کہ قاضی عبدالودود نے باریک بینی، معروضیت اور خردہ گیری کے ذریعے اردو تحقیق کو ایک نیا علمی رنگ عطا کیا۔ قاضی عبدالودود کا نام اردو تحقیق و تنقید میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اس عہد میں سامنے آئے جب اردو تحقیق کو ایک ایسے محقق کی ضرورت تھی جو علمی دیانت، معروضیت اور باریک بینی کے ساتھ متون اور شخصیات پر تحقیق کرے۔ انہوں نے اپنے تحقیقی اسلوب سے یہ ثابت کیا کہ اردو ادب کو سائنسی بنیادوں پر پرکھا جا سکتا ہے اور ہر متن کی صحت کو دلائل اور شواہد کے ذریعے جانچا جانا چاہیے۔

قاضی عبدالودود ۱۸۹۶ء میں پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک ایسے علمی گھرانے سے تھا جہاں مذہبی اور ادبی ماحول غالب تھا۔ بچپن ہی سے کتابوں اور علمی مباحث میں دلچسپی نے ان کی طبیعت کو مطالعہ اور تحقیق کی طرف مائل کر دیا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مقامی مدرسے سے حاصل کی اور بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا رخ کیا۔ علی گڑھ میں اس وقت علمی اور ادبی سرگرمیوں کا ایک بھرپور ماحول موجود تھا۔ یہاں شبلی کے شاگردوں اور سرسید کی تحریک کے اثرات نمایاں تھے۔ قاضی عبدالودود نے اسی ماحول سے استفادہ کیا اور اپنی تحقیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ قاضی عبدالودود نے ابتدا میں مضامین اور خطوط لکھنے سے اپنے تحقیقی سفر کا آغاز کیا۔ ان کے خطوط میں علمی باریک بینی اور تحقیق پسندی نمایاں نظر آتی ہے۔ بعد ازاں انہوں نے متون کی تصحیح، مقدمہ نگاری اور تحقیقی مقالات کے ذریعے اردو تحقیق میں اپنا مقام بنایا۔

اردو دنیا میں انہیں اس حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہر متن کو باریک بینی سے پرکھا اور کسی بات کو بغیر حوالہ یا ثبوت کے تسلیم نہیں کیا۔ ان کے ناقدین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ انہوں نے اردو تحقیق کو تاثراتی انداز سے نکال کر معروضی اور استدلالی بنیاد فراہم کی۔ شاد عظیم آبادی اردو کے ممتاز شاعر تھے، خصوصاً غزل کے میدان میں انہوں نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ ان کا اصل نام سید علی محمد تھا، اور وہ ۱۸۴۶ء میں پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار انیسویں صدی کے اہم شعرا میں کیا جاتا ہے جنہوں نے اردو غزل کو نیا ذوق اور تازگی بخشی۔ شاد عظیم آبادی نے اپنی آپ بیتی اپنے ایک شاگرد کو دی جس نے ۱۹۵۸ء میں "شاد کی کہانی شاد کی زبانی" کے عنوان سے شائع کروا دیا۔ ادب کی تاریخ کی حیثیت سے آب حیات ناکام رہی ہے آزاد تاریخ ادب مرتب کرتے وقت تاریخ زبان لکھنا شروع کر دیتے ہیں تاریخ زبان ایک الگ چیز ہے اور لسانی تاریخ ایک الگ چیز اس سلسلے میں ڈاکٹر احسن فاروق کی اپنی کتاب 'اردو تنقید' میں آزاد پر پہلا اعتراض یہی کرتے ہیں کہ آزاد اور اردو شعرا کی تاریخ مرتب کر رہے تھے نہ کہ اردو زبان کی تاریخ:

"آب حیات اردو زبان کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے اور اس تاریخ کو کافی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے. جدید نقطہ نظر سے یہ باب تاریخ ہے ادب سے نہیں بلکہ تاریخ لسانیات سے تعلق رکھتا ہے اور اس لیے شاعری کی تاریخ میں اس کا وجود غلط ہی سمجھا جانا چاہیے۔ مگر دوسرے باب "نظم اُردو" کی تاریخ میں شاعری کا جو تصور مولانا آزاد پیش کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قرون وسطی کے تذکرہ نگاروں سے آگے نہیں بڑھے ہیں اس لئے ان کا لسانیات اور ادبیات کو ایک ہی چیز سمجھنا بے جا نہیں ہے"۔(۱)

ڈاکٹر احسن فاروقی نے آبِ حیات کے ابتدائی ابواب کے حوالے سے ایک نہایت اہم نکتہ اٹھایا گیا ہے۔ وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ کتاب کا پہلا باب اردو زبان کی تاریخ پر مبنی ہے اور اسے مولانا آزاد نے بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے، مگر جدید تحقیقی زاویے سے دیکھا جائے تو یہ حصہ لسانیات کی تاریخ ہے، ادب کی تاریخ نہیں۔ اس بنا پر فاروقی اسے شاعری کی تاریخ کا حصہ ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اسے بے جا تصور قرار دیتے ہیں۔ دوسرے باب میں بھی وہ یہ نشاندہی کرتے ہیں کہ آزاد شاعری کی تاریخ کو جس زاویے سے دیکھتے ہیں، وہ قرونِ وسطیٰ کے تذکرہ نگاروں ہی کا انداز ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزاد جدید تنقیدی اصولوں سے آگے بڑھنے میں ناکام رہے اور زبان و ادب کے فرق کو درست طور پر نہیں سمجھ سکے۔ انھوں نے آزاد کی کتاب پر ایک اہم اور معروضی اعتراض اٹھایا ہے۔ آزاد نے واقعی آبِ حیات کے آغاز میں زبان کی تاریخ اور شاعری کی تاریخ کو یکجا کر دیا ہے، جس سے کتاب کی ساخت میں ابہام پیدا ہوتا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ آزاد اردو تحقیق کے ابتدائی دور کے نمائندہ ہیں اور اس وقت لسانیات اور ادبیات کو الگ الگ علوم کے طور پر نہیں دیکھا جاتا تھا۔ لہٰذا اگرچہ جدید معیار سے یہ ایک بڑی کمی ہے، لیکن اپنے زمانے کے تناظر میں آزاد کا یہ رویہ قابلِ فہم تھا۔ اس اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فاروقی نے آزاد کی کمزوری کی درست نشان دہی کی، مگر ساتھ ہی اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ آزاد کا اصل کارنامہ اردو کے ادبی شعور کو بیدار کرنا اور اس کی تاریخ مرتب کرنے کی ابتدائی کوشش کرنا تھا۔ یوں فاروقی کا تنقیدی مؤقف اپنی جگہ درست ہے، لیکن اسے تاریخی پس منظر کے ساتھ دیکھنا زیادہ انصاف پر مبنی ہو گا۔

قاضی عبدالودود اپنی کتاب "عیارستان" میں خواجہ احمد فاروقی کی کتاب "میر تقی میر: حیات اور شاعری" پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مصنف جگہ جگہ پر تناقص کا شکار ہوئے ہیں۔ قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

"میرؔ نے زمانے کے ساتھ مصالحت نہیں کی اور نہ زمانے نے ان کے ساتھ کی۔ ان کی سیرت کی چوب خشک ٹوٹ سکتی تھی، لچک نہیں کھا سکتی تھی، ص۲۹۷"۔ میرؔ نے اپنے غلط ماحول اور بیرونی تناقضات سے کسی قیمت پر بھی مصالحت نہیں کی "ص ۲۹۳۔ میرؔ گرد و پیش کے حالات سے مصالحت بھی کر سکتے تھے "ص ۴۴۲۔

تناقص صریح ہے"۔(۲)

خواجہ احمد فاروقی کے پیش کردہ اقتباسات میں واضح اور صریح تضاد دکھائی دیتا ہے۔ قاضی عبدالودود نے کتاب کا باریک بینی سے تجزیہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "میر نے زمانے کے ساتھ مصالحت نہیں کی اور نہ زمانے نے ان کے ساتھ کی "اور یہ کہ ان کی

شخصیت میں سختی اور اصول پرستی تھی جس میں لچک نہیں پائی جاتی تھی، جبکہ دوسرے مقام پر وہ اعتراف کرتے ہیں کہ "میر اپنے گرد و پیش کے حالات سے مصالحت بھی کر سکتے تھے"۔ یہ دونوں بیانات ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہیں، کیونکہ ایک طرف میر کو سخت اور غیر مصالحانہ طبیعت کا حامل قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف انہیں حالات کے مطابق سمجھوتہ کرنے والا بتایا گیا ہے۔ تنقیدی طور پر دیکھا جائے تو خواجہ احمد فاروقی کی اس رائے میں عدمِ یکسانی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ میر کی شخصیت کو ایک جامع اور ہمہ پہلو تناظر میں دیکھنے کے بجائے مختلف مواقع پر مختلف زاویوں سے بیان کر گئے ہیں۔ گویا ان کی تنقید میں تسلسل اور ربط کی کمی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے میرؔ کی شخصیت کے بارے میں قاری کو ایک مبہم اور غیر واضح تاثر ملتا ہے۔

قاضی عبدالودود تحقیق میں حوالہ جات کی درستی پر بہت زور دیتے ہیں۔ وہ محققین سے بھی یہی تقاضا کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب تحقیقی ہوتا ہے اور تحقیق کے تمام تقاضوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ جس کتاب یا نسخے کا حوالہ دیتے ہیں اس کی سن اشاعت اور ناشر کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ نسخے کی صحت کے بارے میں بھی تبصرہ ضرور کرتے ہیں۔ انھوں نے اردو زبان و ادب میں متن شناسی کو ایک باضابطہ علم کا درجہ دیا ہے۔ انہی کی حوصلہ افزائی اور اثر سے کئی محققین نے اردو متون کی تدوین شروع کی جس سے اردو تحقیق کا معیار بہتر ہوا۔

سید مسعود حسن رضوی نے فائزؔ کا دیوان پیشنامہ و مقدمہ و فرہنگ کے ساتھ "شمالی ہند میں اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر نواب صدرالدین محمد خاں، فائز دہلوی اور اس کا دیوان" کے نام سے شائع کروایا۔ قاضی عبدالودود کسی بھی کتاب میں محض نقطہ چینی نہیں کرتے بلکہ تصویر کے دونوں رخ پیش کرتے ہیں۔ قاضی عبدالودود اپنی کتاب "عیارستان" میں شامل مضمون "دیوان فائز" میں متذکرہ کتاب کی توصیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ بات بے خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس قسم کی دوسری کتابیں جو انجمن ترقی اردو نے شائع کی ہیں، ان میں بہت کم ایسی ہیں، جن کے مرتبین نے اپنی تلاش و تحقیق سے کام لیا ہے۔ ان کا ہر دعویٰ قابلِ قبول نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہان کے بعض بیانات پر اضافہ کیا جا سکے۔ مگر کتاب کی ترتیب میں جو جانفشانی انھوں نے کی ہے، اس کی داد نہ دینا ظلم ہے"۔(۳)

خواجہ احمد فاروقی کی کتاب "میری تقی میر: حیات اور شاعری" پر تنقید کرتے ہوئے قاضی عبدالودود اپنی کتاب "عیارستان" میں رقم طراز ہیں:

> "یہ قطعاً شایانِ پذیرائی نہیں کہ غزل کی عاشقانہ روایت کا آغاز میرؔ سے ہوا ہے، اور یہ محض لغو ہے کہ ان سے بیشتر غزل میں چند رسمی خصوصیات کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔ کیا میرؔ کی عظمت کا اعتراف کرانے کی صرف یہی صورت ہے کہ رومی، سعدی، خسرو، حسن، حافظ، فغانی، وحشی، ولی، دشت، بیاض، میلی، نظیری، عرفی، شفائی، طالب، کلیم، صائب، حزیں وغیرہ کی غزلیں یک قلم صفحہ خاطر سے محو کر دی جائیں؟ فارسی سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو مصنف کا قول درست نہیں۔ میرؔ کی غزل کا

دائرہ ولی و سودا کی غزل سے وسیع تر نہیں، بلکہ سودا سے تنگ تر ہے۔ عاشقانہ اشعار سیکڑوں برس قبل سے کہے جا رہے ہیں اور میرؔ کے ہم عصر شعرا سوداؔ، دردؔ، یقینؔ، تاباںؔ، قائمؔ، فغاںؔ، بیاںؔ، ہدایتؔ، سوزؔ، بیدارؔ، ضیاؔ وغیرہ کے یہاں بکثرت ملتے ہیں۔"(۴)

قاضی عبدالودود کا یہ اقتباس خواجہ احمد فاروقی کی کتاب "میری تقی میر: حیات اور شاعری" پر ایک نہایت مدلل اور سخت تنقید ہے جس میں انھوں نے فاروقی کے اس دعوے کو رد کیا ہے کہ اردو غزل کی عاشقانہ روایت کا آغاز میر سے ہوا۔ عبدالودود کے نزدیک یہ تصور نہ صرف مبالغہ آمیز ہے بلکہ اردو اور فارسی غزل کی پوری تاریخ سے انحراف بھی ہے۔ وہ بجا طور پر سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا میر کی عظمت کو اجاگر کرنے کا یہی طریقہ رہ گیا ہے کہ رومی، سعدی، حافظ اور ولیؔ سے لے کر صائب اور حزیں تک کے اساتذہ اور ان کی غزل کی روایات کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے؟ مزید یہ کہ اگر صرف اردو کی سطح پر دیکھا جائے تو میر کی غزل کا دائرہ نہ تو ولیؔ اور سودا کی غزل سے زیادہ وسیع ہے اور نہ ہی نئے مضامین کے اعتبار سے بالکل انوکھا۔ درحقیقت، عاشقانہ اشعار کی روایت میر سے بہت پہلے فارسی اور اردو دونوں میں رائج تھی اور میر کے معاصر شعرا جیسے سودا، درد، یقین، تاباں اور قائم کے یہاں بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔ اس تنقید کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ عبدالودود نے میر کی عظمت کے انکار کے بجائے اس کے غیر سائنسی اور غیر متوازن جواز کی مخالفت کی ہے۔ یوں ان کا مؤقف یہ بنتا ہے کہ میر کی قدر و منزلت کو تسلیم کرنے کے لیے دوسرے شعرا اور روایت کو نظر انداز کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ میر کی اصل انفرادیت کو درست تاریخی تناظر میں اجاگر کرنا چاہیے۔

قاضی عبدالودود ہمیشہ غیر جانبداری سے کسی بھی کتاب پر اپنی رائے دیتے ہیں۔ اگرچہ کسی بھی محقق کا ہر دعویٰ حرفِ آخر نہیں ہو سکتا، اسی طرح اس کتاب میں موجود ذخیرہ معلومات میں اضافہ بھی ممکن ہے۔ لیکن جس طرح کتاب کی تدوین اور ترتیب دی گئی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ اسی کتاب میں مرتب سید مسعود حسن رضوی کے دعوے کہ جعفر ٹلی، فائز کا ہم عصر شاعر ہے، قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

"فاضل مرتب کے نزدیک جعفر زٹلی بھی فائز کا ہم عصر تھا، ص۸۔ دیوان جعفر کا سرسری مطالعہ بھی اس نتیجے پر پہنچانے کے لیے کافی ہے کہ وہ فائز سے عمر میں بہت بڑا تھا؛ ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ فائز کا "ہم عصر" نہیں کہا جا سکتا۔ واضح رہے کہ یہ اس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ فرخ سیر کا سکہ کہنے کی وجہ سے مقتول ہوا تھا؛ یہ صحیح ہے تو یہ بات اوائل عہد فرخ سیر کی ہو گی، جو ترتیب کلیات فائز سے پیشتر ہے۔ اس صورت میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے قلم سے یہ کیونکر نکلا کہ "شمالی ہند کے رہنے والے اردو۔۔۔ کے جن شاعروں کا حال اب تک معلوم ہو چکا ہے اور جن کا کلام معتدبہ مقدار میں دستیاب ہو چکا ہے ان میں شاید کوئی بھی اتنا قدیم نہیں۔۔۔ جتنا فائز" ص۷۔"(۵)

قاضی عبدالودود نے سخت تنقید کی ہے کہ فاضل مرتب نے جعفر زٹلی کو فائز کا ہم عصر قرار دیا، مگر عبدالودود کے نزدیک یہ بات تاریخی اور ادبی دونوں حوالوں سے درست نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دیوانِ جعفر کا سرسری مطالعہ بھی یہ واضح کر دیتا ہے کہ وہ فائز سے عمر میں کہیں بڑے تھے، اس لیے انہیں "ہم عصر" کہنا علمی خطا ہے۔ مزید برآں، جعفر زٹلی کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ فرخ سیر

کے عہد میں ایک طنزیہ قطعہ لکھنے پر قتل ہوئے تھے، اور اگر یہ درست ہے تو یہ واقعہ کلیاتِ فائز کی ترتیب سے بھی پہلے کا ہے۔ اس تناظر میں مرتب کی دوسری بات بھی غیر معتبر ثابت ہوتی ہے کہ شمالی ہند کے اردو شعرا میں فائز سب سے قدیم شاعر ہیں جن کا کلام معتدبہ مقدار میں دستیاب ہے۔ تنقیدی طور پر دیکھا جائے تو عبدالودود نے مرتب کی تحقیق کی کمزوری اور تاریخی شواہد سے عدم مطابقت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ محقق کو صرف دعویٰ کرنے کے بجائے داخلی اور خارجی شواہد کی روشنی میں اپنے مؤقف کو ثابت کرنا چاہیے۔ اس تضاد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرتب کی رائے علمی احتیاط سے خالی اور ادبی تحقیق کے بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کرتی۔

قاضی عبدالودود کی کتاب "محمد حسین آزاد بحیثیت محقق" اردو تحقیق و تنقید کی تاریخ میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے محمد حسین آزاد کی شخصیت کو محض ایک انشاپرداز یا ادیب کی حیثیت سے دیکھنے کے بجائے ایک محقق کے طور پر جانچا اور پرکھا ہے۔ قاضی عبدالودود نے نہایت باریک بینی سے آزاد کے تحقیقی کاموں خصوصاً آبِ حیات کا تجزیہ کیا اور یہ واضح کیا کہ آزاد نے اردو نثر اور ادب کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس کے باوجود ان کی تحقیق میں کئی کمزور پہلو بھی سامنے آتے ہیں، جیسے زبانی روایات پر انحصار، غیر مستند حکایات کا اندراج، حوالہ جات کی کمی اور بعض جگہ تاریخی تسلسل کی کمی۔ ان نکات کی نشاندہی کرتے ہوئے قاضی عبدالودود نے یہ بھی تسلیم کیا کہ آزاد نے تحقیق کو خشک اور پیچیدہ انداز کے بجائے دلکش اور ادبی اسلوب دیا، جس سے عام قاری کو بھی دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس طرح وہ آزاد کے کام کو یکسر رد نہیں کرتے بلکہ اس کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے ساتھ ہی اس کی حدود بھی واضح کرتے ہیں۔

اس کتاب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے اردو تحقیق کے میدان میں معروضی تنقید اور غیر جانب داری کی مثال قائم کی۔ قاضی عبدالودود نے آزاد کے کام کو نہ صرف اس کے مثبت پہلوؤں بلکہ اس کی کمزوریوں کے ساتھ بھی پیش کیا، جس سے قاری کو ایک متوازن رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ "محمد حسین آزاد بحیثیت محقق" محض آزاد کی شخصیت پر تبصرہ نہیں بلکہ اردو تحقیق کے ابتدائی رجحانات کا تجزیہ بھی ہے، جو بعد کے محققین کے لیے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس تبصرے کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قاضی عبدالودود کی یہ کتاب اردو تحقیق میں معروضیت، دیانت اور باریک بینی کی بہترین مثال ہے، جو اردو ادب کے سنجیدہ مطالعے میں ایک مستقل حوالہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ قاضی عبدالودود نے "اشتر و سوزن" میں تذکرہ سرور کی خامیوں پر کڑی تنقید کی ہے۔ ان کے مطابق سرور نے شعرا کے سنین لکھے ہی نہیں ہیں اور اگر کہیں لکھے ہیں تو وہ لازماً غلط ہیں۔ قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

> "سرور نے شعرا کے زمانہ ولادت سے مطلقاً بحث نہیں کی۔ متعدد تذکرہ نگاروں کی یہ روش ہے کہ وہ شاعر کی عمر بتاتے ہیں۔ سرور نے ی بھی نہیں کیا۔ دو چار شعرا کے سنین وفات اس کے یہاں ملتے ہیں جن سے دو قطعاً غلط ہیں: سالِ وفات مرزاؔ، سال وفات مظہرؔ۔ بعض امور کے متعلق انھوں نے لکھا کہ اسے اتنے برس گزر گئے (ان کی تعداد اتنی کم ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے)۔ لیکن چونکہ تذکرہ کم و بیش ۳۰ سال کی مدت میں لکھا گیا ہے۔ ان امور سے زمانہ وقوع کی تعین میں اس سے کچھ زیادہ مدد

نہیں مل سکتی۔ سرور لکھتے ہیں کہ شکوہ علی شکوہؔ ۲۵ سال قبل فوت ہوئے (ص ۳۶۷)۔ کب سے پچیس سال قبل؟ اس سے اس کا پتا نہیں چلتا۔ سرور تاریخی شعور سے بیگانہ نہیں تو پھر شای دہی دنیا کا کوئی شخص ہو جو اس سے بیگانہ قرار دیا جا سکے"۔(۶)

قاضی عبدالودود کے اس اقتباس میں ان کا تحقیقی رویہ اور باریک بینی نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ وہ تذکرہ نگار سرور کی اس خامی کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس نے شعرا کے زمانۂ ولادت پر مطلقاً بات نہیں کی اور وفات کے بارے میں بھی جو معلومات دی ہیں ان میں کئی غلطیاں موجود ہیں، مثلاً مرزا اور مظہر کے سالِ وفات کی تعیین۔ اسی طرح سرور کا یہ کہنا کہ "شکوہ علی شکوہ پچیس سال قبل فوت ہوئے" ایک مبہم اور غیر معیاری اظہار ہے کیونکہ اس سے درست تعینِ وقت ممکن نہیں ہوتا۔ قاضی عبدالودود نے اس مثال سے یہ ثابت کیا کہ سرور کے ہاں تاریخی شعور کی کمی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں سے محقق کو زیادہ مدد نہیں ملتی۔ ان کا جملہ کہ "اگر سرور تاریخی شعور سے بیگانہ نہیں تو شاید دنیا کا کوئی شخص اس سے بیگانہ نہ ہو" ان کی تنقید کی سختی اور طنزیہ انداز کی علامت ہے، لیکن درحقیقت یہ سختی علمی دیانت اور تحقیق میں معروضیت کو قائم رکھنے کی کوشش کے طور پر سامنے آتی ہے۔

قاضی عبدالودود نے اپنی کتاب "اشتر و سوزن" میں تذکرہ سرور میں موجود حقائق کے نقائص کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی اغلاط کی بھی نشان دہی کی ہے۔ قاضی عبدالودود لکھتے ہیں:

"املا، اوقاف گزاری وغیرہ۔ مقدمہ میں ہے "تذکرہ سرور کا متن تیار کرنے میں ہم نے ایسے الفاظ کا قدیم املا برقرار رکھا ہے، جیسے تروار۔۔ یا کایت۔۔ لیکن" عام الفاظ کو موجودہ املا کے مطابق رکھا ہے جیسے جہاڑ کے بجائے جھاڑ، اوس نے کے بجائے اس نے، یائے معروف اور مجہول میں بھی فرق کیا ہے۔ نیز مرکب الفاظ کو موجودہ الفاظ کے مطابق علاحدہ علاحدہ لکھا ہے"۔(۷)

قاضی عبدالودود کا یہ اقتباس ان کے باریک بین محقق ہونے کی دلیل ہے جس میں انہوں نے تذکرہ سرور کے متن کی تدوین میں موجود املا اور اوقاف کے مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ وہ مرتب کے اس دعوے کو سامنے لاتے ہیں کہ قدیم اور غیر مانوس الفاظ کو اصل شکل میں رکھا گیا ہے، جبکہ عام الفاظ کو موجودہ املا کے مطابق بدل دیا گیا ہے۔ بظاہر یہ طریق کار درست دکھائی دیتا ہے، مگر تنقیدی طور پر اس میں کئی خامیاں موجود ہیں۔ سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ متن کی املا میں یکسانی اور اصولی ربط قائم نہیں رہتا؛ ایک ہی کتاب میں کہیں قدیم املا، کہیں جدید املا، اور کہیں مرکب الفاظ کو علاحدہ علاحدہ لکھنے کی پالیسی اپنائی گئی ہے، جس سے قاری کے لیے نہ صرف ابہام پیدا ہوتا ہے بلکہ متن کی اصل شکل بھی مسخ ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ تحقیق و تدوین کا بنیادی اصول یہ ہے کہ متن کو زیادہ سے زیادہ اصل حالت میں پیش کیا جائے اور اگر کسی مقام پر تبدیلی یا اصلاح ضروری ہو تو اس کی وضاحت حاشیے یا مقدمے میں کر دی جائے، تاکہ اصل اور مرتب کردہ متن میں فرق قائم رہے۔ عبدالودود نے دراصل اسی نکتے کو اجاگر کیا کہ مرتب نے سائنسی اور تحقیقی معیار پر کام کرنے کے بجائے سہولت یا ذوق کی بنیاد پر تبدیلیاں کیں، جس سے متن کی تاریخی اور لسانی حیثیت متاثر ہوئی۔ اس لحاظ سے

قاضی عبدالودود کی تنقید نہ صرف بجا ہے بلکہ محققین کے لیے ایک رہنمائی بھی فراہم کرتی ہے۔ڈاکٹر تحریر انجم اپنی کتاب "قاضی عبدالودود۔ شخصیت اور خدمات" میں قاضی عبدالودود کی تحقیقی و تنقیدی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قاضی صاحب کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو کی ادبی تحقیق کو سائنسی نقطہ نظر عطا کیا اور اسے مغربی زبانوں کی تحقیق کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ ان کا اسلوب بھی سائنسی ہے۔ وہ تحقیق میں تزئین بالکل پسند نہیں کرتے۔ ایجاز واختصار ان کی تحریوں کا خاصہ ہے۔ اس کے لیے انھوں نے مخففات وعلامات کا سہارا لیا۔ وہ بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوئے اور نہ کسی کی عقیدت یا کوئی مصلحت ان کی راہِ تحقیق میں حائل ہو سکی۔ ان کی بت شکنی مشہور ہے۔ کسی روایت کو خواہ وہ کسی واسطے سے آئی بغیر دلیل کے انھوں نے قبول نہیں کیا۔ انھوں نے بتایا کہ تکمیل کا دارومدار جزئیات کی صحت پر ہوتا ہے اور تحقیق میں کسی شے کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ معمولی چیز بعض حالات میں غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ انھوں نے تحقیق میں معروضیت، قطعیت اور جامعیت پر زور دیا۔ ان کی تحقیق میں قانونِ شہادت، منطقی استدلال اور سائنسی صداقت کے مشترکہ عناصر ملتے ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر ان کا تحقیقی نقطہ نظر سائنٹفک ہے۔وہ تحقیق کی ابتدا تشکیک سے کرتے ہیں اور کسی شے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لیے وہ موضوع کا مالہ وماعلیہ کا مکمل مطالعہ کرتے ہیں اور معتبر حوالوں کو ہی بنائے استدلال بناتے ہیں۔ استخراجِ نتائج بہت محتاط ہو کر کرتے ہیں۔ متعلقہ امور کے متعلق جب تک ہر طرح اطمینان نہ ہو جائے وہ کوئی حتمی بات کہنے سے گریز کرتے ہیں"۔(۸)

ڈاکٹر تحریر انجم کے مطابق قاضی عبدالودود نے اردو تحقیق کو محض بیانیہ اور تاثراتی دائرے سے نکال کر سائنسی بنیادوں پر استوار کیا۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ تحقیق میں معروضیت، قطعیت اور جامعیت کو بنیادی شرط سمجھتے تھے۔ وہ نہ بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی کسی عقیدت یا مصلحت کو اپنی تحقیق میں دخل دینے دیا۔ ان کے نزدیک تحقیق کی اصل بنیاد جزئیات کی صحت تھی، کیونکہ بظاہر معمولی دکھائی دینے والی چیزیں بعض اوقات غیر معمولی اہمیت اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کا تحقیقی اسلوب اختصار اور ایجاز پر مبنی تھا، اور وہ ضرورت کے وقت علامات اور مخففات کے استعمال سے بھی کام لیتے تھے۔ اگرچہ اس رویے سے ان کی تحریریں علمی طور پر ٹھوس ہو گئیں، لیکن کبھی کبھار یہی ایجاز قاری کے لیے مشکل بھی بن جاتا تھا۔ ان کے بارے میں یہ بات بھی اہم ہے کہ وہ تحقیق کی ابتدا ہمیشہ تشکیک سے کرتے، ہر بات کو پرکھتے اور جب تک دلائل وشواہد سے مکمل اطمینان حاصل نہ ہوتا، کوئی حتمی رائے قائم نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحقیق میں قانونِ شہادت، منطقی استدلال اور سائنسی صداقت جیسے عناصر یکجا نظر آتے ہیں۔ تاہم ان کی باریک بینی اور خردہ گیری بعض قارئین کو شدت پسندی یا ضرورت سے زیادہ سختی کا تاثر بھی دیتی ہے۔ اس کے

باوجود مجموعی طور پر دیکھا جائے تو قاضی عبدالودود کی تحقیق نے اردو تنقید و تحقیق کو ایک معروضی، سائنسی اور علمی سمت عطا کی، جس کی مثال ان سے پہلے کم ہی ملتی ہے۔

قاضی عبدالودود حوالہ جاتی صحت اور تاریخی تسلسل پر کتنی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وہ صرف عمومی بیانات یا سنی سنائی باتوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر دعوے کو تاریخی شواہد اور ماخذی دلائل کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔ ان کی باریک بینی اس بات کو واضح کرتی ہے کہ تحقیق میں معمولی سی بے احتیاطی بھی قاری کو غلط سمت میں لے جاسکتی ہے۔ ان کا سخت لہجہ اگرچہ بعض قارئین کو کڑا محسوس ہو سکتا ہے، لیکن اس سختی کے پیچھے علمی دیانت اور سچائی کی جستجو کارفرما ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ طرزِ نقد نہ صرف ماضی کے مصنفین کی غلطیوں کو بے نقاب کرتا ہے اور تحقیق میں نام، تاریخ اور حوالوں کے معاملے میں ذرہ برابر لاپرواہی قابلِ قبول نہیں۔

قاضی عبدالودود کا سب سے نمایاں امتیاز ان کی حوالہ جاتی صحت تھی۔ وہ کسی بھی متن کو اس وقت تک معتبر نہیں سمجھتے تھے جب تک کہ اس کے تمام دلائل اور شواہد درست نہ ہوں۔ وہ بارہا اس بات پر زور دیتے کہ تحقیق میں محقق کا ذاتی تاثر یا قیاس کوئی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ اصل چیز ماخذ اور حوالہ ہے۔ ان کی تحقیق کی ایک بڑی خصوصیت خردہ گیری ہے۔ وہ نہ صرف بڑے بڑے مسائل پر توجہ دیتے تھے بلکہ چھوٹی چھوٹی جزئیات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ ان کے نزدیک تحقیق میں ایک لفظ کی صحت بھی اتنی ہی اہمیت رکھتی ہے جتنی کہ پورے متن کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بھی کتاب یا متن کو ایک ایک جملے اور لفظ کی سطح پر پرکھتے تھے۔ ان کے اسلوب میں ایک اور نمایاں پہلو علمی دیانت اور معروضیت تھی۔ وہ کسی شخصیت یا متن پر تنقید کرتے وقت ذاتی رجحانات یا گروہی تعصبات کو شامل نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی متن علمی طور پر کمزور ہوتا تو وہ اسے بے لاگ انداز میں واضح کرتے، اور اگر کسی کے کام میں خوبی پاتے تو کھلے دل سے اس کا اعتراف بھی کرتے۔ قاضی عبدالودود نے اردو کے قدیم متون کی تلاش اور تدوین میں اہم کام کیا ہے۔ ان کے مطابق قدیم متون کی درستی کے بغیر اردو ادب کی تاریخ نویسی ادھوری ہے۔ انہوں نے کئی اہم متون کی تصحیح کی اور مقدمات تحریر کیے، جن میں متنی صحت اور لسانی باریک بینی پر زور دیا۔

حوالہ جات

۱۔ محمد احسن فاروقی، اُردو میں تنقید، غالب اکیڈمی دہلی، سن ندارد، ص:۱۹

۲۔ قاضی عبدالودود، عیارستان، مطبع لیبل لیتھو پریس رمنا پٹنہ، انڈیا، ۱۹۵۷ء، ص:۲۹

۳۔ ایضاً، ص:۱

۴۔ ایضاً، ص:۱۷۶

۵۔ ایضاً، ص:۷

۶۔ عبدالودود، قاضی، اشتر و سوزن، مطبع کوہ نور دہلی، ۱۹۶۴ء، ص:۳۰۔۲۹

۷۔ قاضی عبدالودود، عیارستان، ص:۵۴

۸۔ تحریر انجم، ڈاکٹر، قاضی عبدالودود: شخصیت اور خدمات، رجحان پبلی کیشنز الہ آباد، انڈیا، ۲۰۰۵ء، ص:۹۹

References in Roman Script:

1. Muhammad Ahsan Farooqi, Urdu mein Tanqeed, Ghalib Academy Dilli, san nadarad, p:19
2. Qazi Abdul Wadood, Ayaristan, Matba Label Lithopress Ramna Patna, India, 1957, p:29
3. Ibid., p:1
4. Ibid., p:176
5. Ibid., p:7
6. Abdul Wadood, Qazi, Ishtro Sozan, Matba Koh Noor Dilli, 1964, p:29–30
7. mQazi Abdul Wadood, *Ayaristan*, p:54
8. Tahreer Anjum, Dr., Qazi Abdul Wadood: Shakhsiyat aur Khidmaat, Rujhan Publications Allahabad, India, 2005, p:99